ارشاد احمد عارف — حسن انتخاب

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کی موت پر

دانشورانہ خود مذمتی کے شہ پارے

نوبل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کی رحلت سے بلاشبہ ان کے مداحوں کو صدمہ پہنچا۔ طبیعیات کے شعبے میں ان کی خدمات کا ایک زمانہ اعتراف کرتا ہے۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب پاکستان کے شہری تھے اس لئے نوبل انعام ملنے پر اہل پاکستان بھی خوش ہوئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے "ترقی پسندانہ" دور میں سائنسی امور کی مشاورت سے بطور احتجاج مستعفی ہونے والے ڈاکٹر عبدالسلام کو ضیاء الحق کے رجعت پسندانہ "اسلامی" دور حکومت میں ہلال امتیاز کا اعزاز عطا کیا گیا۔ کراچی اور اسلام آباد میں استقبالیئے دیئے گئے اور صدر پاکستان کے مہمان کے طور پر انہوں نے مختلف مقامات کا دورہ کیا۔ جھنگ میں ان کے آبائی گھر کو قومی یادگار قرار دے کر محفوظ کیا گیا اور ایک غریب قوم اپنے سائنس دان کا جس حد تک اعزاز و اکرام کر سکتی تھی کرتی رہی مگر ان کی وفات کے بعد ہمارے بعض کالم نگار دوستوں کو اچانک یاد آیا ہے کہ پاکستان اور یہاں کے بنیاد پرست مسلمان عوام نے دنیا کے مایہ ناز سائنس دان کی قدر نہیں کی اور محض مذہبی تعصب کی بناء پر ان سے بے رخی ہوئی۔

ہمارے ہاں اصحاب علم و دانش کا المیہ یہ ہے کہ وہ خود مذمتی اور رواداری میں فرق ملحوظ نہیں رکھتے۔ وہ ہمیشہ اپنے عقیدے، قومی اقدار اور ملکی رسم و رواج کے بارے میں معذرت خواہی کا شکار رہتے ہیں۔ وہ دوسروں کے مذہبی تعصب اور انتہا پسندانہ رویئے کا دفاع کرتے ہوئے اپنے معتقدات، قومی مفادات اور ملکی رسوم و رواج کو بھی فراموش کر جاتے ہیں بلکہ ان کا مذاق اڑانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کی سائنسی اپروچ کا تو یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنی تحقیق اور نوبل انعام ملنے کو مرزا غلام احمد قادیانی کا "معجزہ" قرار دیا۔ اور انعام لینے کے لئے جو چوغہ اور پگ پہن کر گئے وہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے جانشینوں کا پسندیدہ مخصوص لباس ہے۔ اس کا پنجاب کی روایتی ثقافت سے کوئی تعلق نہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے عقیدے میں اس قدر پختہ تھے کہ جونہی پاکستان کی قومی اسمبلی نے کئی ماہ کے بحث مباحثے اور مرزا ناصر احمد کی طرف سے اس واضح اعلان کے بعد کہ "وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے قائل ہیں اور ختم نبوت کے اس تصور سے متفق نہیں جو مسلمان عالم کے عقیدے کا حصہ ہے" قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم قرار دیا۔ انہوں نے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو اپنا استعفیٰ پیش کر دیا اور وزیراعظم کے اصرار کے باوجود سائنسی مشیر کے طور پر خدمات انجام دینے سے معذرت کر لی۔ وہ اپنے ملک میں سائنس و ٹیکنالوجی کے شعبے کی تعمیر و ترقی کے لئے مشورے اس صورت میں دے سکتے تھے کہ اسلامیان برصغیر مرزا غلام احمد اور ان کے مقلدین کے عقائد کی

روشنی میں اپنے آپ کو "غیر مسلم" تسلیم کرنے پر آمادہ ہوجاتے۔ ۱۹۴۸ میں جب قائداعظم کی نماز جنازہ پڑھنے کی بجائے اس وقت کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان (قادیانی) نے غیر مسلم سفیروں کی صف میں بیٹھنا پسند کیا تو استفسار کرنے والوں کو انہوں نے یہی جواب دیا تھا کہ "آپ مجھے کسی مسلم ریاست کا غیر مسلم وزیر یا غیر مسلم ریاست کا مسلمان وزیر خارجہ سمجھ لیں"۔

حد یہ ہے کہ سر ظفر اللہ خان ہوں یا ڈاکٹر عبدالسلام وہ کبھی اس امر پر شرمندہ نہیں ہوئے کہ انہوں نے نبی آخرالزماں محمد رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کا انکار کر کے ایک مجہول شخص کی اطاعت قبول کی ہے اور امت مسلمہ سے خود ہی ترک تعلق کر لیا ہے۔ مگر ہمارے دانشور، کالم نگار دوست اس امر پر شرمندہ ہیں کہ ہم نے ڈاکٹر عبدالسلام کی خواہش کے مطابق قومی اسمبلی کے متفقہ فیصلے کو واپس لے کر یہ اقرار کیوں نہیں کیا کہ آپ سچے، آپ کے مدعیٔ نبوت سچے، ہم ہی وہ بد نصیب ہیں جو اپنے سچے رسول ﷺ سے تعلق پر شرمسار ہیں۔ مرزا طاہر احمد کی قیادت میں قادیانیوں نے برطانیہ میں جو "اسلام آباد" بسایا ہے وہ پاکستان کے خلاف تخریبی سرگرمیوں کا مرکز ہے اور ان کا سٹیلائٹ چینل پاکستان کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے میں مصروف رہتا ہے مگر ان کے اس قابل فخر کارنامے پر بھی ہم اس احساس زیاں کا شکار رہتے ہیں کہ آخر ہم نے یہ غلطی کیوں کی، رواداری کا مظاہرہ کیوں نہ کیا۔ انہیں غیر مسلم قرار دینے کی بجائے خود ہی اقلیت ہونے کا تمغہ اپنے سینے پر کیوں نہ سجالیا۔ حالانکہ یہ محض سیاسی مسئلہ نہیں، نبی اکرم ﷺ کی حرمت اور ناموس کا معاملہ ہے۔ اسلام نے "لا اکراہ فی الدین" کا فلسفہ ضرور پیش کیا ہے۔ لیکن وہ دوسروں سے بھی یہ توقع کرتا ہے کہ وہ اس کے پیروکاروں کے عقیدے اور شعائر کا احترام کریں اور اسلام کے بنیادی اصولوں کی نفی کرنے اور ختم نبوت کا انکار کرنے والا کوئی فرد اپنے آپ کو مسلمان قرار دینے کا فیصلہ نہیں کرسکتا۔

آخر کیا وجہ ہے کہ قادیانی اپنے آپ کو اقلیت سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ حضرت علامہ اقبال نے پنڈت جواہر لال نہرو کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا تھا کہ "آپ یہ بات سمجھ ہی نہیں سکتے کہ عقیدۂ ختم نبوت کی کیا اہمیت ہے اور کسی مدعیٔ نبوت یا اس کے پیروکاروں کو مسلمان تصور کرنے کا نتیجہ کیا نکل سکتا ہے؟" پنڈت جی تو اس خط کے جواب میں خاموش ہوگئے۔ لاجواب ہو کر یا مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے، لیکن ہمارے مسلمان "دانشور" ابھی تک بے سوچے سمجھے قادیانیوں کے موقف اور مسلمانوں کے عقیدۂ ختم نبوت سے آگہی حاصل کیے بغیر تواتر سے پاکستان اور اس میں بسنے والی مسلم اکثریت کے خلاف طعنہ زنی میں مصروف ہیں۔ متشدد، متعصب اور بنیاد پرست، خود مذمتی کا یہ رویہ ہر اس فرد اور گروہ کا شعار بنتا ہے جسے ساری برائیاں اپنے بھائی بندوں اور تمام اچھائیاں غیروں میں نظر آتی ہوں۔ یہ فراخدلی اور رواداری نہیں بلکہ اپنے عقیدے، روایات، تمدن اور شعائر سے فرار کی راہ ہے انسان دوستی کسی اور شے کا نام ہے۔ (بشکریہ "نوائے وقت" ملتان ۶ دسمبر ۱۹۹۶ء "پریس ٹاک" ارشاد احمد عارف کا کالم)